سوال وجواب

وراثت اور وصیت

کراچی سے احمد محی الدین صاحب نے ایک سوالنامہ روانہ کیا ہے جس میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ :-
(۱) کیا حکم وصیت آیات وراثت سے منسوخ ہے؟ (۲) کیا وارثوں کے لئے کوئی وصیت ناجائز ہے؟ (۳) کیا ایک تہائی سے زیادہ وصیت بھی ناجائز ہے؟ (۴) کیا قرآن کے مقرر کردہ حصہ ہائے ترکہ میں کمی بیشی ہو سکتی ہے ؟
کیا یتیم پوتے کو محجوب الارث کر دینا ضروری ہے؟

ہم نے مسائل کے طویل سوالنامے میں سے آیات واحادیث مندرجہ اور دیگر تفصیلات کو الگ کر کے صرف سوالات نقل کئے ہیں اور ان تمام سوالات کا جواب ایک مربوط شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

انسان جو دولت بھی کماتا ہے اس کا مالک وارث در اصل اللہ تعالیٰ ہے و انت خیر الوارثین - اس لئے کہ وہ جن صلاحیتوں اور ذریعوں کو کام میں لاتا ہے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے ہیں یعنی عقل، دماغ، دل، ہاتھ پاؤں اور تمام وسائل پیداوار غرض ہر چیز اسی کی پیدا کردہ اور بخشیدہ ہیں، پس انسان اپنی تمام حاصل کی ہوئی دولت کا صرف امین ہے مالک نہیں - اور امین کا کام ہے مالک کی ہدایت کے مطابق اپنا حصہ بھی لینا اور دوسروں کا حصہ بھی دینا - اپنے حصے کو خرچ کرنے میں بھی انسان آزاد نہیں، کہ جس مصرف میں چاہے لائے بلکہ اس میں بھی اسے حدود کا پابند کیا گیا ہے - وہ لوگ جو انسان کی کمائی میں حقدار ہیں از روئے قرآن یہ ہیں :

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم

(یعنی اللہ کی بندگی کرو اور کسی شے کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اور انہیں کے عملی ثبوت کی ایک شکل یہ ہے) کہ نیکی کرو والدین کے ساتھ اور نیز رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، قرابت دار پڑوسی اور غیر قرابتی پڑوسی، ہم نشین، مسافر اور قیدی کے ساتھ بھی نیکی کرو۔

اسی مضمون کو مختلف جگہ مختلف الفاظ میں مختصراً یا مفصلاً بھی بیان کیا گیا ہے، یہ سب دولت مند کی دولت کے حقدار ہیں ان میں اپنے بھی ہیں اور غیر بھی — یہی لوگ دولت مند کی زندگی میں بھی حق دار ہیں اور یہی اس کے مرنے کے بعد بھی، یہ سمجھنا صحیح

کہ زندگی میں تو یہ سب حقدار ہیں اور مرنے کے بعد صرف وہ حقدار ہیں جن کا ذکر آیاتِ وراثت میں آگیا ہے۔ کسی کے مرنے سے صرف امین کی تبدیلی ہوتی ہے۔ دولت اسی طرح موجود ہے اور اس کا اصلی مالک بھی اسی طرح حی و قیوم ہے۔ دولت کی جو تقسیم خود امین کے وقت میں تھی وہی اس کے مرنے کے بعد بھی قائم رہے گی ـــــ ہاں مرنے کے بعد ایک فرق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ تمام حقدار قدرتاً دو حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

ایک وہ لوگ ہیں جن کے متعلق سبھوں کو علم ہوتا ہے کہ متوفی یقیناً ان پر دولت صرف کرتا ہوگا۔ اور اپنی فطری محبت، احساسِ سعادت اور تقبہ پرورانہ فطرت کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ صرف کرتا ہوگا۔ اور وہ ہیں اولاد، والدین (جس کی یہ خود اولاد ہے) اور بھائی بہن (جو اس کے والدین کی اولاد ہیں) اور زوج (خواہ شوہر ہو یا بیوی)

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے متعلق عام طور پر لوگوں کو علم نہیں ہوتا کہ یہ ان پر بھی خرچ کرتا تھا یا نہیں یا کرتا تھا تو کتنا اور کیسے۔ یہ لوگ ہیں یتامیٰ، مساکین، قریب اور بعید پڑوسی، ہم نشین، مسافر، قیدی وغیرہ۔ انسان ان محتاجوں پر کسی فطری محبت یا احسان مندی وغیرہ کے دباؤ سے نہیں بلکہ محض حسبۃً للہ اخلاقی فرض شناسی کے تحت خرچ کرتا ہے اور جتنا زیادہ اخلاص ہوتا ہے۔ اسی قدر پوشیدگی سے ان کی اعانت کرتا ہے۔ اس طرح کہ ایک ہاتھ سے دیتا ہے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی اور نیز یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ لینے والا احسان مندانہ شرمندگی کے بوجھ سے نہ جھک جائے۔

ان دونوں قسموں کے مستحقین کی حق رسی کے لئے قرآن پاک نے فطرت کے مطابق دو طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ پہلی قسم کے لئے قانونِ وراثت کے معین حصے ہیں اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے قانونی دباؤ ڈالنے کی بجائے خود مرنے والے کے اخلاق و ضمیر کو مؤثر ترغیبات سے ابھارا گیا ہے تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ان مستحقین کے حصے الگ کر دے یا ان کے لئے وصیت کر جائے جس کی تکمیل اس کے ورثاء (یعنی پہلی قسم کے مستحقین) و عدالت کرے گی۔ گویا زندگی میں جس طرح انفاق ہو رہا تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی ہوگا۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ ایک کے لئے وراثت ہے اور دوسرے کے لئے وصیت۔

وصیت کے متعلق یوں ارشاد ہے۔

كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين و
الأقربين بالمعروف حقا على المتقين

یعنی اگر تم میں سے کسی پر موت آئے گی۔ اور وہ دولت بھی چھوڑ کر مر رہا ہو تو اس پر اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنا ضروری ہے۔

يا أيها الذين آمنوا شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت حين الوصية اثنان
ذوا عدل منكم أو آخران من غيركم إن أنتم ضربتم في الأرض فأصابتكم
مصيبة الموت

مسلمانو! اگر تم پر موت آنے لگے تو تمہاری وصیت کے وقت آپس کی گواہی یہ ہے کہ کم سے کم دو عادل گواہ تمہارے اپنوں میں سے ہوں۔ اور اگر تم مسافرت میں ہو اور حادثہ موت پیش آنے لگے تو (اپنوں کی غیر موجودگی کے باعث) یہ دونوں گواہ غیروں میں سے ہوں۔

یہی وہ لازمی وصیت ہے جس کو قانون وراثت کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ اور قانون وراثت کے دوران میں چار جگہ اسے یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ

من بعد وصية يوصي بها او دين - من بعد وصية يوصين بها او دين
من بعد وصية توصون بها او دين - من بعد وصية يوصى بها او دين

یعنی وراثت کی تقسیم تکمیل وصیت اور ادائے قرض کے بعد ہوگی (خواہ وصیت ان ہی ورثا کے لئے ہو یا غیروں کے لئے)

یہ وصیت جن لوگوں کے لئے ہے ان میں ایک تو والدین ہیں اور دوسرے قریب و بعید رشتے دار جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن کا ذکر یوں ہوا ہے۔

واذا حضر القسمة اولو القربى واليتمى والمساكين فارزقوهم منه وقولوا لهم قولاً معروفا

یعنی تقسیم وراثت کے وقت رشتہ دار یتامے اور مساکین بھی آجائیں تو ان کا حصہ بھی اس میں سے دو اور بات ڈھنگ کی کرو۔

تقسیم کے وقت ان سب مستحقین کی رعایت کی کئی شکلیں ہیں - خود مرنے والا تقسیم یا اس کی وصیت کر رہا ہو یا اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثا اس کی تکمیل کر رہے ہوں۔ پھر وہ مستحقین سامنے آجائیں یا کوئی ادھر توجہ دلانے والا آجائے یا از خود مستحقین ذہن میں آجائیں۔ آیت ان سب شکلوں پر حاوی ہے۔ مستحقین کا بالجسم اور عین تقسیم کے وقت حاضر ہونا مقصود نہیں۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ قانون وراثت اور اس کا جز یعنی وصیت دونوں مل کر انفاق کی اسی شکل کو باقی رکھتے ہیں جو مرنے والے کی زندگی میں قائم تھی۔ وہی اپنے اور غیر پہلے بھی مستحق تھے اور وہی اب بھی حقدار رہتے ہیں اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا اس لئے کہ مرنے والے کی موت سے صرف تقسیم کرنے والا امین درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ مال اس کے مستحقین اور وارث حقیقی تو اسی طرح موجود ہیں۔ یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب غیروں کا حق مرنے والے کے مال میں ہے جس میں غیر کے یتامی بھی ہیں تو اپنے یتیم پوتے کا حق کیوں نہ ہوگا؟ یتامی کی خبر گیری کے متعلق کتاب و سنت میں بے شمار احکام موجود ہیں اگر قوم کے اخلاقی تنزل کی وجہ سے ان پر عمل نہ ہو رہا ہو تو قانون کو بھی حرکت میں لایا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ یتیم پوتے کے لئے قانوناً وصیت لازم کر دی جائے اور اگر کوئی وصیت نہ کرے تو حکومت اسے اپنی طرف سے نافذ کر دے۔

مختصر اس سلسلہ کی ایک کڑی اور بھی ذہن نشین کر لیجئے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قانون وراثت ابتدائی دور کے بعد

وصیت کی ضرورت نہیں رہی اس لئے کہ جب ورثہ کے حصے مقرر کر دیئے گئے تو وہی حقدار ہوئے۔ لہٰذا وصیت کے احکام منسوخ الحکم ہو گئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان آیات کو تلاوت کر کے ثواب و اجر حاصل کرتے رہئے۔

یہ خیال صحیح نہیں۔ اولاً تو منسوخ و ناسخ کی تھیوری ہی مطابق قرآن نہیں دوسرے کُتب علیکم کا لفظ فرضیت کے لئے ہوتا ہے۔ یہی الفاظ قصاص صیام اور قتال کے لئے ہیں۔

کتب علیکم القصاص ... کتب علیکم الصیام .... کتب علیکم القتال وغیرہ

پس کتب علیکم الوصیۃ الخ کو اس فرضیت سے خارج کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں۔

اصل یہ ہے کہ جب ہم قرآن پاک میں بعض وارثوں کے حصے معین دیکھتے ہیں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وصیت کی کیا ضرورت رہ گئی؟ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ جو حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں وہ اسی صورت میں ہیں جب کہ مرنے والا کسی اچانک حادثے یا غفلت کی وجہ سے وصیت کا موقع نہ پا سکا ہو اور حصے معین نہ ہونے کی وجہ سے باہمی جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہو اس لئے اگر متوفی کو موقع ملے تو ضروری ہے کہ وہ دیانت داری کے ساتھ حسب منشے ورثہ حصے تقسیم کر دے یا اس کی وصیت کر جائے

یہ وصیت اس لئے فرض کی گئی ہے کہ ہر شخص کے حالات جدا جدا ہوتے ہیں اس لئے وہ حسب منشے ورثہ و استحقاق لوگوں کے حصے خود معین کر دے گا۔ یہ قرآنی قانون وراثت کی مخالفت نہیں بلکہ عین منشائے قرآن کی پیروی ہو گی۔ ورثہ کے حالات اور ضروریات میں بعض اوقات اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ ایک ہی جنس کے چند وارثوں میں برابر کی تقسیم مطابق انصاف نہیں کہی جا سکتی۔ فرض کیجئے ایک لڑکا تندرست اور برسر روزگار ہے۔ دوسرا معذور۔ ایک کی تعلیم پر بیس ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ دوسرا ابھی چھ ماہ کا ہے۔ ایک کثیر العیال ہے اور دوسرا لاولد۔ ایک لڑکی کثیر العیال ہے اور اس کا شوہر بے روزگار ہے یا مفقود الخبر ہے یا مر چکا ہے اور دوسری خوشحال اور بے اولاد ہے اور شوہر بھی صاحب حیثیت ہے۔ ایک فرزند بے حد خدمت گزار صاحب ایثار اور سعادتمند ہے اور دوسرا نافرمان و آوارہ و فاسق ہے۔ ان حالات میں کیا یہ انصاف ہو گا کو ان دونوں قسم کے مستحقین کو یکساں ہی حصہ دیا جائے؟ ان ہی مواقع کے لئے ہے وصیت تاکہ مرنے والا دیانتداری کے ساتھ حسب منشے ورثہ حصے تقسیم کر جائے۔ البتہ اس میں ایک بات کی رعایت ضروری ہو گی کہ یہ تقسیم "غیر مضار" ہو یعنی کسی سے خوش ہو کر یا کسی سے ناراض ہو کر اتنی زیادہ فیاضانہ یا منتقمانہ کمی بیشی نہ کرے کہ معیشت کو غیر متوازن کر دے اور بعد میں باہمی فساد تک نوبت پہنچ جائے۔ ایسے موقعوں پر حتی الامکان ورثا کی باہمی رضامندی سے کام کرنا زیادہ بہتر ہے۔ آیت وصیت کے آگے حکم ہے کہ!

فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہٗ

وصیت سن چکنے کے بعد جو لوگ اسے بدلیں گے اس کا گناہ بھی ان ہی بدلنے والوں پر ہو گا۔

ہاں اگر اس میں غیر مضار کا لحاظ نہ رکھا ہو تو پھر یہ جائز ہے کہ اس میں مناسب ترمیم کر کے باہمی صلح کرا دی جائے جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ

اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی وصیت میں غلط میلان یا اداری ستم کا خدشہ ہو اور وہ باہمی اصلاح و مصالحت کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مثلاً کسی مستحق کو وہ فراموش کر گیا ہو یا کسی کی ضرورت کا پورا لحاظ نہ رہ سکا ہو یا کسی کا کچھ دینا تھا وہ رہ گیا ہو یا کسی ایسی جگہ دینے کی وصیت کی ہو جو خواہ موصی کی نظر میں ٹھیک ہو۔ لیکن دراصل وہ گناہ ہو۔ ایسی تمام صورتوں میں مناسب ترمیم کی اجازت ہے ورنہ وصیت میں کسی رد و بدل کی بھی اجازت نہیں۔ اس قسم کی غلطیاں موت کی گھبراہٹ میں ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

ایک چیز پر اور غور کیجئے۔ بیوہ کے لئے حکم ہے کہ

والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا

جو لوگ مر جائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ چار ماہ دس دن عدت کے گذاریں۔

یہ عدت شوہر ہی کے گھر پر گزاری جاتی ہے الا آنکہ کوئی شدید مجبوری ہو) اور اس کے اخراجات شوہر ہی کے مال سے ہوں گے یہ حکم عورتوں کو ہے۔ اس دوران میں پیام نکاح دینا بھی حرام ہے لیکن چونکہ ضروری نہیں کہ عدت ختم ہوتے ہی اس کا عقد ثانی ہو جائے اس لئے مزید رعایت یہ دی گئی ہے کہ

والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج ج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف (۲ : ۲۴۰)

یعنی جو لوگ مرنے لگیں اور ازواج چھوڑ جائیں وہ اپنی ازواج کے لئے ایک سال کے نان و نفقہ کی وصیت کر جائیں گھر سے نکالے بغیر۔

ہاں اگر وہ (چار ماہ دس دن کی عدت گذارنے کے بعد) خود اپنے متعلق کسی فیصلے (عقد ثانی) کے لئے گھر چھوڑ دیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ دیکھئے وہ عورتیں حکم خداوندی کے مطابق عدت (چار ماہ دس دن) متوفی شوہر کے گھر گذاریں یا شوہر کی رعایتی وصیت (یہاں کتب کا لفظ نہیں اس لئے یہ فرض نہیں بلکہ اخلاقی ترغیب ہے اسی لئے ہم نے رعایتی کا لفظ لکھا ہے) کے مطابق ایک سال گذاریں۔ دونوں حالتوں میں اس کے اخراجات شوہر ہی کے مال سے ہوں گے اور یہ عورت کے وراثتی حصے سے علاوہ ہوں گے۔ اب سوچئے اگر آیات وراثت کے معین حصوں میں حسب ضرورت ترمیم و اضافہ ناجائز قرار دیا جائے۔ تو یہ اخراجات عورت ہی کے معین حصے سے مہیا کرنے چاہئیں۔ حالانکہ ایسا نہیں اگر عورت کو اپنے ہی حصے میں سے خرچ کرنا ہو تو بہر حال کرے گی۔ اس کے لئے شوہر کو وصیت کی کیا حاجت رہ جاتی ہے۔ جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم کی حسب ضرورت منصفانہ وصیت مقدم ہے۔ اس کا اگر موقع نہ مل سکا ہو تو یہ حصے ہوں گے جو آیات وراثت میں ہیں۔ علاوہ جو وصیت کرنے والا کرے گا وہ صرف عزیزوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اپنوں اور غیروں سب کے لئے ہے جس طرح اس کی زندگی میں تھا۔

مرنے کے بعد زندگی کی طرح لگانے اور بیگانے مستحقین میں وہ دولت بنٹ جاتی ہے اور مقصد بھی یہی ہے کہ دولت ایک جگہ سمٹی ہوئی نہ رہے بلکہ زیادہ سے زیادہ بکھر کر پھیل جائے۔ یہی اقتصادی نکتہ، انفاق، صدقات اور زکوٰۃ سب میں ہے کہ سمٹی ہوئی دولت آہستہ آہستہ تقسیم در تقسیم ہو کر ختم ہو جائے اور گردش میں رہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی ضرورت پوری ہوتی رہے کیونکہ دولت کا ایک ہی جگہ سمٹا ہوا رہنا معاشیات کے لئے زہر کا حکم رکھتا ہے گویا وہ ایک تالاب ہے جس میں پانی سڑتا رہتا ہے اور بالآخر تعفن و جراثیم دوسروں کو اور خود مالک کو بھی ہلاک کرتے ہیں۔ اسلام اکتناز HOARDING کا دشمن ہے مگر وہ دفعتاً کسی سے سب کچھ نہیں چھینتا۔ بلکہ کچھ قانون سے اور کچھ اخلاقی محرکات سے رفتہ رفتہ تقسیم کراتا ہے تاکہ اس کے کمانے کا جذبہ بھی باقی رہے اور تقسیم کا کام بھی نہ رکنے پائے یہی ہے وہ معاشی قانون اسلام جس کا خلاصہ آج کل کے ماہرین اقتصادیات ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ EARN AND DISTRIBUTE کماؤ اور بکھیر دو۔ یہ اصول جب اجتماعی طور پر معمول بہ ہو جاتا ہے تو کوئی غریب نہیں رہتا اور دولت کی گردش سے ہر ایک کی ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے

رہا ایک تہائی سے زیادہ وصیت کا معاملہ تو قرآن اس بارے میں خاموش ہے صرف احادیث میں ہے کہ حضور نے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ بس ایک تہائی وصیت بہت ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حکم ذاتی ہو کیونکہ یہ صحابی اپنا سارا ہی مال راہ خدا میں دینے کی وصیت کرنا چاہتے تھے چند شرابیوں سے شراب چھڑوانے کے سلسلے میں حضور نے شراب کے برتن بھی چھڑوا دیئے تھے حالانکہ محض ان برتنوں کا استعمال ناجائز نہ تھا اور حضور نے بعد کو اس استعمال کی اجازت بھی دے دی۔ اس لئے ہمارے نزدیک ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنے کی ضرورت ہو تو اس میں مضائقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ حنابلہ کا مسلک یہ ہے۔

ولکن التحقیق ان هذا مکروه فقط وعلی هذا یدخل فی قسم المکروه - (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه ج ۳ ص ۳۱۶)

تحقیق یہی ہے کہ یہ (ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا حنابلہ کے نزدیک) صرف مکروہ ہے اور اس کا شمار مکروہات کی قسم میں ہے

حنفیہ کا مسلک یوں ہے کہ :-

وان الافضل لمن له مال قلیل ان لا یوصی اذا کانت له ورثة والافضل لمن له مال کثیر ان لا یوصی بالکثر من الثلث (ایضاً ص ۳۱۵)

جس کے پاس تھوڑا مال ہو اور اس کے وارث بھی ہوں تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ وصیت ہی نہ کرے اور جس کے پاس مال زیادہ ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تہائی سے زیادہ وصیت نہ کرے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم مایہ کے لئے وصیت ہی مناسب نہیں اگر کرے گا تو یہ صرف غیر افضل ہوگا۔ نیکی نہ ہوگی کیا اور گناہ کیا؟ دولت مند کا ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا بھی صرف ایک غیر افضل فعل ہے نہ کہ ناجائز و حرام۔

(محمد جعفر شاہ پھلواروی)

لاکھوں نے اِن میں روپیہ لگایا ہے

فائدے روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ سیونگ سرٹیفکیٹ اس وقت روپیہ لگانے کی سب سے زیادہ نفع بخش صورت ہے۔ آپ بآسانی پانچ یا دس یا اس سے زیادہ مالیت کے سرٹیفکیٹ خرید سکتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر بھنا بھی سکتے ہیں۔ دس برس میں سو روپے کے ۱۵۰ روپے ہو جاتے ہیں۔

آپ سیونگ سرٹیفکیٹ کیوں نہ خریدیں

کاغذ بنانے کا ایک نیا کارخانہ

صرف اتنا ہی نہیں۔ ان تمسکات میں رقم لگانا سچے پاکستانی ہونے کی نشانی ہے۔ آپ نہ صرف اپنی اور اپنے بال بچوں کی آئندہ خوشحالی کا سامان کرتے ہیں بلکہ اپنے ملک کو ایک پھلتا پھولتا خوشحال اور ترقی یافتہ ملک بنانے میں بھی مدد دیتے ہیں۔

ترقی کے لئے روپیہ بچانا شرط ہے

پاکستان سیونگ سرٹیفکیٹ میں روپیہ لگائیے

۷ء۴ فیصدی منافع۔ ڈاکخانوں، سیونگز بیورو اور مقررہ ایجنٹوں سے مل سکتے ہیں۔

A.F.P.-2[illegible]